Quarterly - Trilingual

TANAZUR

SCHOLARLY RESEARCH JOURNAL

www.tanazur.com.pk

IRRP

Volume 07, Issue 01 Jan.-Mar. | 2026

عربی زبان کی تعلیم و تعلم میں اردو کی لسانی و تدریسی اہمیت: ایک تنقیدی جائزہ

The Linguistic and Pedagogical Significance of Urdu in Teaching and Learning Arabic: A Critical Review

Author (S)	1. Usman Ayub 2. Zaid Naveed
Affiliation	1. Lecturer, Academy of Languages & Professional Development, The University of Lahore. usmanayub93@gmail.com , usmanayub.ua@live.com ; https://orcid.org/0009-0004-7967-1292 2. Research associate, Bayyinah Institute, Pakistan. zaid.naveed98@gmail.com
Link	https://tanazur.com.pk

Received: 27/01/2025
Reviewed: 28/02/2026
Accepted: 01/03/2026
Published: 09/03/2026

Author(s) declared no conflict of interest

Licensing:
This article is open access and is distributed under the terms of Creative Commons Attribution 4.0 International License.

OPEN ACCESS OJS HJRS WORLD of JOURNALS

e-ISSN: 2790-8208
p-ISSN: 2790-8194

عربی زبان کی تعلیم و تعلم میں اردو کی لسانی و تدریسی اہمیت: ایک تنقیدی جائزہ

The Linguistic and Pedagogical Significance of Urdu in Teaching and Learning Arabic: A Critical Review

عثمان ایوب[1]   زید نوید[2]

Abstract

This study critically examines the linguistic and pedagogical significance of Urdu in the teaching and learning of the Arabic language, particularly in the South Asian context. It explores the historical relationship between Urdu and Arabic, highlighting shared vocabulary, script, and religious scholarship that have facilitated Arabic acquisition among Urdu-speaking learners. The paper analyzes how Urdu functions as an effective medium of instruction in madāris and academic institutions, aiding comprehension of grammar, morphology, and classical texts, including the Qur'an and Hadith literature. At the same time, it offers a critical evaluation of the limitations and challenges associated with overreliance on Urdu as an intermediary language, especially in developing communicative competence in modern Arabic. The study concludes that while Urdu serves as a valuable linguistic bridge in Arabic pedagogy, a balanced and methodologically sound approach is necessary to enhance direct engagement with Arabic sources.

Keywords: Arabic language teaching, Urdu language, Arabic-Urdu linguistic relationship, pedagogy, South Asia, madrasah education, grammar instruction, Islamic studies

مبحث اول: عربی اور اردو کا لسانی رشتہ اور ساختی مماثلتیں

زبانیں محض ابلاغ کا وسیلہ نہیں بلکہ تہذیبی حافظے اور فکری ساخت کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔ عربی اور اردو کا تعلق اسی زاویے سے نہایت اہمیت کا حامل ہے کہ ایک طرف عربی سامی لسانی خانوادے سے وابستہ ہے اور دوسری طرف اردو ہند آریائی النسل زبانوں میں شمار ہوتی ہے، مگر ان دونوں کے درمیان تاریخی تعامل، مذہبی وابستگی اور تہذیبی ربط نے ایسا گہرا اشتراک پیدا کیا کہ ساختی اختلاف کے باوجود معنوی و اسلوبی ہم آہنگی نمایاں ہوگئی۔ اسلام کی آمد کے بعد برصغیر میں عربی علومتفسیر، حدیث، فقہ اور کلامکے فروغ نے اس

---

1 لیکچرر، اکیڈمی آف لینگویجز اینڈ پروفیشنل ڈویلپمنٹ، دی ونیورسٹی آف لاہور

2 ریسرچ اسسٹنٹ، بینہ انسٹیٹیوٹ، پاکستان

p-ISSN: 2790-8194
e-ISSN: 2790-8208

باہمی ربط کو علمی بنیاد فراہم کی، چنانچہ اردو کی لفظیات، اصطلاحات اور اسلوب میں عربی اثر ایک مستقل عنصر کی حیثیت اختیار کر گیا۔ لسانیات کے ماہرین سامی زبانوں کی ساخت کو ثلاثی مادّوں (trilateral roots) کے نظام سے تعبیر کرتے ہیں۔ ابن جنی نے عربی کی صوتی و صرفی ساخت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا:

«فَأَكْثَرُ أُصُولِ الْكَلَامِ عَلَى ثَلَاثَةِ أَحْرُفٍ[3]»

"کلام کے اکثر اصول تین حروف پر مبنی ہوتے ہیں۔"

یہ ثلاثی نظام عربی کے صرفی اشتقاق کو ایک منضبط منہج عطا کرتا ہے، جبکہ اردو اپنے ہند آریائی پس منظر کے باعث اس نوع کے مادّیاتی نظام کی پابند نہیں، بلکہ اس میں اشتقاق زیادہ تر لاحقوں اور سابقوں کے ذریعے تشکیل پاتا ہے۔ تاہم عربی الفاظ کے ورود نے اردو میں بھی جزوی طور پر اس اشتقاقی شعور کو راسخ کیا، جیسے "علم" سے "تعلیم"، "عالم"، "معلوم" وغیرہ کی تشکیل۔ اس طرح دو مختلف لسانی نظام ایک دوسرے کے ساتھ تعامل میں آکر ایک نئی تہذیبی لسانیات کی تشکیل کرتے ہیں۔ اردو کے مستعمل ذخیرۂ الفاظ میں عربی الفاظ کی کثرت کا اعتراف مستشرقین نے بھی کیا ہے۔ John T. Platts اپنی لغت کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

> "The Urdu language has drawn largely from Arabic through the medium of Persian, especially in matters of religion, law, and philosophy."[4]

"اردو زبان نے بالخصوص مذہب، قانون اور فلسفہ کے میدان میں فارسی کے واسطے سے عربی سے کثیر استفادہ کیا ہے۔"

یہ اقتباس اردو کی لفظی ساخت میں عربی عنصر کی وسعت کو واضح کرتا ہے۔ دینی متون کی تدریس، عدالتی نظام، اور تصوف کی روایت نے عربی الفاظ کو محض مستعار لفظیات نہیں رہنے دیا بلکہ انہیں فکری مفاہیم کا حامل بنا دیا۔ "عدل"، "حکمت"، "شریعت"، "عبادت" اور "اخلاق" جیسے الفاظ اپنے ساتھ ایک تہذیبی پس منظر بھی لاتے ہیں، جو اردو کے فکری سرمایے کو گہرائی عطا کرتا ہے۔
صرفی و نحوی مماثلتوں میں اسم و فعل کی تقسیم ایک بنیادی اشتراک ہے، تاہم عربی میں فعل کی گردان (تصریف) اور بابوں کی وسعت اردو کے مقابلے میں کہیں زیادہ منظم اور پیچیدہ ہے۔ عربی میں تذکیر و تانیث نحوی قاعدے کے تحت اسم و فعل دونوں پر اثر انداز ہوتی ہے، جب کہ اردو میں یہ امتیاز زیادہ تر اسم تک محدود رہتا ہے۔ سیبویہ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف میں نحوی قواعد کی توضیح کرتے ہوئے لکھا:

«هَذَا بَابُ مَا يُؤَنَّثُ وَمَا يُذَكَّرُ[5]»

---

[3] Ibn Jinnī, Abū al-Fatḥ, Al-Khaṣāʾiṣ (Cairo: Dār al-Kutub al-Miṣriyya, 1952), 1: 34
[4] Platts, John T., A Dictionary of Urdu, Classical Hindi, and English (London: W.H. Allen, 1884), vii
[5] Sībawayh, ʿAmr ibn ʿUthmān, Al-Kitāb (Cairo: Dār al-Ḥadīth, 1988), 3: 241.

p-ISSN: 2790-8194 e-ISSN: 2790-8208

"یہ باب ان الفاظ کے بیان میں ہے جو مؤنث اور مذکر ہوتے ہیں۔"

اردو نے اگرچہ تذکیر و تانیث کا اصول برقرار رکھا، مگر اس میں معنوی اور سماعی بنیاد زیادہ کارفرما ہے، جب کہ عربی میں صرفی علامتیں (مثلاً تاء مربوطہ) نحوی فیصلے میں مرکزی حیثیت رکھتی ہیں۔

صوتیاتی پہلو سے دیکھا جائے تو عربی کے بعض حروف مثلاً "ح"، "ع"، "ق" اور "ض" اردو میں موجود ہیں، مگر ان کا صحیح مخرج ادا کرنا ہر متکلم کے لیے سہل نہیں۔ اسی بنا پر اردو میں بعض الفاظ کے تلفظ میں تخفیف یا تبدیلی واقع ہوئی، جیسے "قلب" کا "کلب" کی طرف میلان۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ قرآنِ کریم کی تلاوت اور دینی تعلیم نے اردو اہلِ زبان کو ان مخارج سے مانوس کیا۔ ابن خلدون نے لسانی اثرات پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا:

»اللُّغَةُ مِنْ أَعْظَمِ شَعَائِرِ الْأُمَمِ[6]«

"زبان اقوام کی عظیم ترین شعائر میں سے ہے۔"

یہ تنبیہ اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ عربی صوتیات کا اردو میں نفوذ محض صوتی معاملہ نہیں بلکہ تہذیبی وابستگی کی علامت بھی ہے۔

رسم الخط کی مماثلت نے اس ربط کو مزید استحکام بخشا۔ اردو نے عربی-فارسی رسم الخط کو اختیار کرکے نہ صرف دینی متون سے قربت پیدا کی بلکہ قرأت و کتابت میں ایک ہم آہنگی بھی قائم کی۔ اس اشتراک نے عربی مصادر سے استفادہ کو آسان بنایا اور اردو اہلِ قلم کو براہِ راست عربی ذخیرۂ علوم تک رسائی دی۔ مستشرق عالم T. W. Arnold نے برصغیر میں اسلامی تہذیب کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا:

> "The adoption of the Arabic script facilitated the diffusion of Islamic learning in India."

"عربی رسم الخط کو اختیار کرنے سے ہندوستان میں اسلامی علوم کے پھیلاؤ میں سہولت پیدا ہوئی۔[7]"

یوں عربی اور اردو کا لسانی رشتہ محض الفاظ کے تبادلے تک محدود نہیں بلکہ ایک گہری تہذیبی ہم آہنگی کا مظہر ہے۔ سامی اور ہند آریائی پس منظر کے باوجود دونوں زبانوں نے باہمی تعامل کے ذریعے ایک ایسا فکری و ادبی سرمایہ تشکیل دیا جس میں صرفی و نحوی اختلافات کے باوجود معنوی اشتراک غالب ہے۔ یہ رشتہ اس حقیقت کی دلیل ہے کہ زبانیں جغرافیہ سے زیادہ تہذیب کی تابع ہوتی ہیں، اور جب کوئی زبان کسی عظیم فکری روایت سے جڑ جائے تو اس کی ساخت میں بھی اس روایت کی بازگشت سنائی دینے لگتی ہے۔

---

[6] Ibn Khaldūn, ʿAbd al-Raḥmān, Al-Muqaddima (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyya, 2004), 1: 555
[7] Arnold, Thomas W., The Preaching of Islam (London: Constable & Company, 1913), 289.

p-ISSN: 2790-8194
e-ISSN: 2790-8208

مبحث دوم: عربی اکتساب میں اردو کی بطورِ معاون زبان تدریسی افادیت

لسانی اکتساب کا اصولی مطالعہ اس امر کی نشان دہی کرتا ہے کہ انسان نئی زبان کو خلا میں نہیں سیکھتا بلکہ اپنی مادری زبان کے فکری ونحوی سانچے کے ذریعے اس کا ادراک کرتا ہے۔ اسی لیے جدید لسانی نظریات میں "لسانی منتقلی (language transfer) "کو ایک بنیادی عامل قرار دیا گیا ہے۔ برصغیر کے تناظر میں جہاں اردو مادری یا ثانوی قومی زبان کی حیثیت رکھتی ہے، وہاں عربی اکتساب کے مراحل میں اردو بطورِ معاون زبان ایک مؤثر اور فطری وسیلہ بن جاتی ہے۔ یہ معاونت محض ترجمہ کی سطح تک محدود نہیں بلکہ مفہوم آفرینی، قواعدی توضیح اور تدریسی ربط کے ہر مرحلے میں کارگر دکھائی دیتی ہے۔ جدید لسانیات کے ممتاز مفکر Noam Chomsky زبان کی ساختی تفہیم کے ضمن میں لکھتے ہیں:

> "Language acquisition is a process that builds on the innate structures of the mind."

"زبان کا اکتساب ذہن کی فطری ساختوں پر استوار ایک تدریجی عمل ہے۔"[8]

اگر ذہنی ساختیں فہم کا بنیادی وسیلہ ہیں تو مادری زبان ان ساختوں کی عملی صورت ہے۔ چنانچہ اردو کے ذریعے عربی قواعد اور اسالیب کو سمجھانا ذہنی تسلسل کو برقرار رکھتا ہے، جس سے طالب علم اجنبیت کے احساس سے محفوظ رہتا ہے۔

ترجمہ و تفہیم کے طریقۂ تدریس میں اردو کی عملی اہمیت تاریخی طور پر بھی مسلم ہے۔ برصغیر کے مدارس میں قرآن وحدیث کی تعلیم میں اردو شرح وترجمہ کا طریقہ صدیوں سے رائج رہا ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے قرآن کے فارسی ترجمے کے جواز پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا:

«إِنَّ تَرْجَمَةَ الْقُرْآنِ لِمَنْ لَا يَفْهَمُ الْعَرَبِيَّةَ سَبَبٌ لِتَحْصِيلِ الْمَقْصُودِ[9]»

"جو شخص عربی نہیں سمجھتا اس کے لیے قرآن کا ترجمہ مقصود کے حصول کا ذریعہ ہے۔"

اگرچہ ان کا خطاب فارسی کے ضمن میں تھا، مگر اصولی طور پر یہی استدلال اردو کے لیے بھی صادق آتا ہے۔ ترجمہ یہاں محض لفظی تبدیلی نہیں بلکہ مفہوم کی تہہ تک رسائی کا وسیلہ ہے، جس سے طالب علم عربی متن کی معنوی ساخت سے مانوس ہوتا ہے۔

قواعدِ عربی کی توضیح میں اردو بطور وضاحتی ذریعہ نہایت مؤثر ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً مبتدا و خبر، فاعل و مفعول، معرفہ و نکرہ جیسے مباحث کو اردو نحوی اصطلاحات کے ساتھ مربوط کر دینے سے فہم میں آسانی پیدا ہوتی ہے۔ عربی نحو کے امام سیبویہ نے اپنی کتاب میں نحوی ابواب کو منظم کرتے ہوئے تحریر کیا:

«هَذَا بَابُ الْفَاعِلِ[10]» "یہ باب فاعل کے بیان میں ہے۔"

---

[8] Chomsky, Noam, Language and Mind (New York: Harcourt Brace Jovanovich, 1972), 57.
[9] Shāh Walī Allāh, Ḥujjat Allāh al-Bāligha (Cairo: Dār al-Jīl, 1966), 1: 192.
[10] Sībawayh, ʿAmr ibn ʿUthmān, Al-Kitāb (Cairo: Dār al-Ḥadīth, 1988), 1: 23.

جب استاد اس باب کی توضیح اردو میں اس طرح کرتا ہے کہ "فاعل وہ ہے جو کام کرنے والا ہو"، تو طلبہ کے ذہن میں دونوں زبانوں کا نحوی ربط قائم ہو جاتا ہے۔ یہ تقابلی طریقہ نہ صرف قواعدی ادراک کو مستحکم کرتا ہے بلکہ عربی جملے کی ساختی ترتیب بھی واضح کرتا ہے۔ ابتدائی و متوسط درجات میں فہمِ متن کے لیے اردو کی معاونت خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔ قرآنِ کریم کی تعلیم کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾[11]

"اور ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا ہے، تو کیا کوئی نصیحت قبول کرنے والا ہے؟"

تعلیم کے ابتدائی مراحل میں اردو توضیح اسی تیسیر کا عملی ذریعہ بن جاتی ہے۔ جب مشکل عربی تراکیب کو اردو میں کھول کر بیان کیا جاتا ہے تو طالب علم تدریجاً براہِ راست عربی متن سے ربط پیدا کرنے لگتا ہے۔ یہ معاونت عارضی سہارا ہے، مگر فہم کی بنیاد مضبوط کرنے میں فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے۔ اساتذہ اور طلبہ کے درمیان تدریسی رابطے میں بھی اردو سہولت فراہم کرتی ہے۔ علمی مکالمہ، سوال و جواب، اور اشکالات کا ازالہ جب مشترک لسانی بنیاد پر ہو تو درس گاہ میں ذہنی قربت پیدا ہوتی ہے۔ معروف ماہرِ تعلیم Paulo Freire نے تدریسی مکالمے کی اہمیت پر لکھا:

> "Dialogue is the encounter between men, mediated by the world, in order to name the world."

"مکالمہ انسانوں کے درمیان ایک ایسا تعامل ہے جو دنیا کو معنی دینے کے لیے ہوتا ہے۔"[12]

اگر مکالمہ فہم کا بنیادی وسیلہ ہے تو اردو بطور مشترک زبان اس مکالمے کو سہل اور مؤثر بناتی ہے، جس کے نتیجے میں عربی اکتساب ایک خشک قواعدی مشق کے بجائے زندہ علمی تجربہ بن جاتا ہے۔ یوں اردو کی بطورِ معاون زبان تدریسی افادیت محض سہولت کا معاملہ نہیں بلکہ ایک اصولی و نفسیاتی ضرورت ہے۔ مادری زبان کی بنیاد پر نئی زبان کا اکتساب فکری تسلسل کو قائم رکھتا ہے، ترجمہ و توضیح مفہوم کو واضح کرتی ہے، قواعدی ربط ذہنی ساخت کو منظم کرتا ہے، اور تدریسی مکالمہ تعلیمی عمل کو بامعنی بناتا ہے۔ اس تناظر میں اردو عربی تعلیم کے لیے رکاوٹ نہیں بلکہ ایک مضبوط پل ہے، جس کے ذریعے طالب علم بتدریج اس لسانی افق تک رسائی حاصل کرتا ہے جہاں عربی متن براہِ راست اس کے شعور کا حصہ بن جاتا ہے۔

مبحث سوم: فہمِ قرآن و حدیث میں اردو کی لسانی معنویت

قرآن و حدیث کی تفہیم محض لسانی مہارت کا تقاضا نہیں بلکہ ایک تہذیبی، فکری اور روحانی شعور کی ہمہ جہتی آمیزش کا نام ہے۔ عربی متن اپنی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے جس قدر عمیق اور تہ دار ہے، اسی قدر اس کی تدریس کے لیے ایک ایسے لسانی وسیلے کی

[11] Al-Ṭabarī, Muḥammad ibn Jarīr, Jāmiʿ al-Bayān (Cairo: Dār al-Maʿārif, 1954), 27: 98.
[12] Freire, Paulo, Pedagogy of the Oppressed (New York: Continuum, 1970), 88.

ضرورت بھی محسوس ہوتی ہے جو طالبِ علم کے ذہنی افق سے ہم آہنگ ہو۔ برصغیر کے علمی ماحول میں اردو نے یہ منصب سنبھالا اور بتدریج ایسی علمی زبان کی صورت اختیار کرلی جس میں قرآنی معارف، حدیثی دقائق اور فقہی اصطلاحات نہ صرف منتقل ہوئیں بلکہ ایک نئے تہذیبی شعور میں ڈھل گئیں۔ اس تعامل نے اردو کو محض ترجمانی کا آلہ نہیں بلکہ فہمِ نصوص کا ایک مؤثر قرینہ بنادیا۔

﴿كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾[13]

"یہ ایک بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا تاکہ لوگ اس کی آیات میں تدبر کریں اور اہلِ عقل نصیحت حاصل کریں۔"

تدبر کی یہ دعوت زبان کی سطح پر فہم کے استحکام کا تقاضا کرتی ہے۔ برصغیر میں شاہ عبدالقادر دہلوی کا اردو ترجمۂ قرآن اسی تقاضے کا عملی اظہار تھا، جس نے پہلی مرتبہ قرآنی خطاب کو عوامی لسانی سانچے میں ڈھالا۔ بعد ازاں شبیر احمد عثمانی اور ابوالاعلیٰ مودودی کی تفاسیر نے اردو شرح و بیان کو فکری تجزیے اور عصری شعور کے ساتھ مربوط کیا۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"The Qur'an is not a book of abstract theories; it is a book of guidance meant to transform human life."

"قرآن محض تجریدی نظریات کی کتاب نہیں بلکہ انسانی زندگی کی تشکیل و تبدیلی کے لیے ہدایت نامہ ہے۔"[14]

اس تصورِ ہدایت نے اردو تفسیر کو محض لغوی تشریح تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے ایک فکری و اصلاحی بیانیے میں تبدیل کردیا، جہاں عربی نص اپنی اصل روح کے ساتھ اردو اسلوب میں منکشف ہونے لگا۔

حدیثِ نبویؐ کی تفہیم میں بھی اردو شروح نے اسی معنوی پُل کا کردار ادا کیا۔

«نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيثًا فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَهُ»[15]

"اللہ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے ہم سے حدیث سنی اور اسے اسی طرح آگے پہنچایا جیسے اس نے سنی تھی۔"

تبلیغِ حدیث کا یہ تقاضا لسانی ابلاغ کی صحت سے وابستہ ہے۔ اردو میں شروحِ حدیث، مثلاً انور شاہ کشمیری کی درسی تقریرات اور شبیر احمد عثمانی کی توضیحات، عربی متن کے دقیق نحوی و بلاغی پہلوؤں کو اردو قالب میں منتقل کرکے فہم کو وسعت دیتی ہیں۔ اس اسلوب میں نہ صرف ترجمہ بلکہ مفہوم کی تہہ در تہہ توضیح شامل ہوتی ہے، جس سے حدیث کا سیاق و سباق روشن ہوتا ہے۔ قرآنی و حدیثی اصطلاحات

[13] Al-Ṭabarī, Muḥammad ibn Jarīr, Jāmiʿ al-Bayān ʿan Taʾwīl Āy al-Qurʾān (Cairo: Dār al-Maʿārif, 1954), 23: 162.
[14] Maudūdī, Abū al-Aʿlā, Tafhīm al-Qurʾān (Lahore: Idāra Tarjumān al-Qurʾān, 1972), 1: 12.
[15] Ibn Mājah, Muḥammad ibn Yazīd, Sunan Ibn Mājah (Cairo: Dār Iḥyāʾ al-Kutub al-ʿArabīya, 1952), 1: 84.

کے اردو متبادلات نے ایک خاص معنوی وسعت پیدا کی۔ "تقویٰ"، "ایمان"، "احسان"، "شفاعت"، اور "اجتہاد" جیسے الفاظ اگرچہ عربی الاصل ہیں، مگر اردو علمی روایت میں ان کے مفاہیم ایک تہذیبی تجربے سے ہم آہنگ ہو کر زیادہ بلیغ ہو گئے۔ سیوطی نے علومِ قرآن کے ضمن میں لکھا:

«إِنَّ مَعَانِيَ الْقُرْآنِ لَا تُحْصَى وَلَا تُسْتَقْصَى[16]»

"قرآن کے معانی نہ گنے جاسکتے ہیں اور نہ ان کا احاطہ کیا جا سکتا ہے۔"

اردو نے ان غیر متناہی معانی کو اپنے ادبی و تہذیبی شعور کے ساتھ جذب کر کے ایک ایسی تفسیری روایت تشکیل دی جس میں اصطلاحات محض لغوی نہ رہیں بلکہ فکری و روحانی تجربے کا حصہ بن گئیں۔ مذہبی مدارس میں اردو بطور ذریعۂ تدریس کی عملی صورتیں اس تاریخی عمل کا تسلسل ہیں۔ درسِ نظامی کے متون خواہ عربی میں ہوں، مگر شرح و تقریر عموماً اردو میں ہوتی ہے۔ اس تدریسی عمل میں استاد عربی عبارت کی نحوی تحلیل کرتے ہوئے اردو توضیح سے ذہنی ابہام کو رفع کرتا ہے۔ یہی طریق عصری جامعات میں بھی مختلف صورتوں میں رائج ہے، جہاں "براہِ راست عربی" اور "دولسانی تدریس" کے ماڈلز باہم تعامل میں ہیں۔ ماہرِ تعلیم Paulo Freire کا قول یہاں رہنمائی فراہم کرتا ہے:

"Language is never neutral; it shapes consciousness."

"زبان کبھی غیر جانب دار نہیں ہوتی؛ وہ شعور کی تشکیل کرتی ہے۔[17]"

اردو بطور ذریعۂ تدریس اسی تشکیلِ شعور میں حصہ لیتی ہے، کیونکہ وہ نص کے معانی کو مقامی فکری تناظر میں جذب کر کے ایک زندہ علمی تجربہ پیدا کرتی ہے۔ تاہم فہمِ نصوص میں اردو کی معاونت کے ساتھ اس کی حدود بھی ملحوظ رہنی چاہییں۔ ترجمہ خواہ کتنا ہی دقیق ہو، اصل عربی متن کی صوتی آہنگ، بلاغی ساخت اور صرفی لطافت کا کامل بدل نہیں ہو سکتا۔ ابن تیمیہ نے لکھا:

«اللُّغَةُ مِنْ أَعْظَمِ شَعَائِرِ الْأُمَّةِ[18]»

"زبان امت کی عظیم ترین شناختوں میں سے ہے۔"

اس تنبیہ میں یہ شعور مضمر ہے کہ معاون زبان سہارا تو بن سکتی ہے، مگر اصل ماخذ کی طرف مراجعت ناگزیر ہے۔ اردو کی افادیت اسی وقت تک ہے جب تک وہ طالب علم کو عربی متن کے قریب لے جائے، نہ کہ اس کی جگہ لے لے۔

یوں فہمِ قرآن و حدیث میں اردو کی لسانی معنویت ایک تدریجی و تکمیلی کردار رکھتی ہے۔ وہ ذہنی انسیت، معنوی توضیح اور تدریسی سہولت فراہم کرتی ہے؛ اصطلاحات کو تہذیبی وسعت دیتی ہے؛ اور نصوص کے معانی کو مقامی شعور سے ہم آہنگ کرتی ہے۔

---

[16] Al-Suyūṭī, Jalāl al-Dīn, Al-Itqān fī ʿUlūm al-Qurʾān (Cairo: al-Hayʾa al-Miṣrīya, 1974), 2: 179.
[17] Freire, Paulo, Pedagogy of the Oppressed (New York: Continuum, 1970), 66
[18] Ibn Taymiyyah, Aḥmad ibn ʿAbd al-Ḥalīm, Iqtiḍāʾ al-Ṣirāṭ al-Mustaqīm (Riyadh: Dār ʿĀlam al-Kutub, 1999), 1: 207.

تاہم اس کا کمال اسی میں ہے کہ وہ خود کو اصل عربی سرچشمے کے تابع رکھے، تاکہ فہم کی یہ دو لسانی ساخت ایک متوازن اور عمیق علمی روایت کی تشکیل کا ذریعہ بن سکے۔

مبحث چہارم: عربی تدریس میں اردو کے استعمال پر تنقیدی مباحث

عربی بطورِ زبانِ دین و دانش جب تعلیمی نظام میں موضوعِ تدریس بنتی ہے تو اس کے اکتساب کے اسالیب بھی فکری مناقشات کا مرکز بن جاتے ہیں۔ ایک طرف وہ روایت ہے جو مادری زبان کو فہم کا ناگزیر وسیلہ سمجھتی ہے، اور دوسری طرف وہ جدید رجحان جو براہِ راست طریقۂ تدریس (Direct Method) کو زیادہ مؤثر قرار دیتا ہے۔ اس کشاکش میں اردو کا مقام ایک عملی ضرورت اور ایک نظری سوال دونوں کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ چنانچہ عربی تدریس میں اردو کے استعمال پر ہونے والی تنقیدی بحثیں محض لسانی نہیں بلکہ نفسیاتی، تہذیبی اور تدریسی جہات کی حامل ہیں۔ براہِ راست طریقۂ تدریس کے حامی اس بات پر زور دیتے ہیں کہ نئی زبان کا اکتساب اسی زبان کے اندر رہ کر ہونا چاہیے تاکہ طالب علم براہِ راست لسانی ماحول میں ڈھل سکے۔ معروف ماہرِ لسانیات Stephen Krashen اپنے نظریۂ اِن پٹ (Input Hypothesis) میں لکھتے ہیں:

> "Language acquisition occurs when learners are exposed to comprehensible input in the target language."
>
> "زبان کا اکتساب اس وقت وقوع پذیر ہوتا ہے جب سیکھنے والوں کو ہدف زبان میں قابلِ فہم مواد میسر آتا ہے۔"[19]

اس تصور کے تحت اردو کا استعمال بعض اوقات غیر ضروری سہارا سمجھا جاتا ہے، کیونکہ اس سے ہدف زبان میں مسلسل انہماک کم ہو سکتا ہے۔ اسی تناظر میں Wilhelm Viëtor نے انیسویں صدی میں "Reform Movement" کے ضمن میں لکھا:

> "The mother tongue must be avoided in the foreign language classroom."
>
> "غیر ملکی زبان کی جماعت میں مادری زبان سے اجتناب ضروری ہے۔"[20]

یہ موقف ایک نظری خلوص کا حامل ضرور ہے، لیکن برصغیر کے تناظر میں اس کی مطلق تطبیق محلِ نظر ہے، جہاں طلبہ کی غالب اکثریت عربی کو بطورِ دینی زبان سیکھتی ہے نہ کہ بطورِ معاشرتی رابطے کی زبان۔ حد سے زیادہ انحصار کے ممکنہ منفی اثرات بھی اپنی جگہ ایک سنجیدہ بحث ہیں۔ اگر ہر لفظ، ہر ترکیب اور ہر نحوی ساخت کا فوری اردو متبادل پیش کر دیا جائے تو طالب علم کی ذہنی کاوش محدود ہو جاتی ہے۔ لسانی نفسیات کے ماہر Lev Vygotsky نے سیکھنے کے عمل میں "منطقۂ قربِ نمو" (Zone of Proximal Development) کا نظریہ پیش کرتے ہوئے تحریر کیا:

---

[19] Krashen, Stephen D., Principles and Practice in Second Language Acquisition (Oxford: Pergamon Press, 1982), 20

[20] Viëtor, Wilhelm, Der Sprachunterricht muss umkehren (Leipzig: Reisland, 1882), 15

"What the learner can do with assistance today, he will be able to do alone tomorrow."

"جو کام طالب علم آج مدد کے ساتھ انجام دیتا ہے، کل وہی کام تنہا انجام دینے کے قابل ہو جاتا ہے۔"[21]

اگر مدد دائمی صورت اختیار کر لے تو خود انحصاری کی صلاحیت کمزور پڑ جاتی ہے۔ اردو بطورِ معاون زبان اسی وقت مفید ہے جب وہ تدریجاً کم ہوتی جائے اور عربی فہم کی خود کفالت کو ممکن بنائے۔ لسانی مداخلت (Language Interference) کا مسئلہ بھی قابلِ توجہ ہے۔ عربی اور اردو اگرچہ رسم الخط اور بعض الفاظ میں مشترک ہیں، مگر نحوی ساخت، جملے کی ترتیب اور صوتی آہنگ میں نمایاں فرق رکھتے ہیں۔ Robert Lado نے تقابلی لسانیات کے اصول بیان کرتے ہوئے لکھا:

"Individuals tend to transfer the forms and meanings of their native language to the foreign language."

"افراد اپنی مادری زبان کی ساختوں اور معانی کو غیر ملکی زبان میں منتقل کرنے کا رجحان رکھتے ہیں۔"[22]

اسی رجحان کے باعث عربی میں مبتدا و خبر کی ترتیب، اعراب کی تبدیلی، یا فعل کی صرفی ساخت اکثر اردو سانچے کے زیرِ اثر غلط ادا ہوتی ہے۔ یہ مداخلت اگر بروقت اصلاح نہ پائے تو لسانی عادت بن جاتی ہے اور تکلم و تحریر دونوں میں خلل پیدا کرتی ہے۔ عربی میں تکلمی مہارت کی ترقی پر اردو کے اثرات بھی اسی تناظر میں زیرِ بحث آتے ہیں۔ مسلسل اردو توضیح بعض اوقات طلبہ کو عربی میں سوچنے کی عادت سے محروم رکھتی ہے۔ Noam Chomsky کے نزدیک زبان محض الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک داخلی نظام ہے جو ذہنی ساخت میں پیوست ہوتا ہے۔

"Competence reflects the speaker-hearer's knowledge of his language."

"لسانی اہلیت بولنے اور سننے والے کے اس داخلی علم کی عکاسی کرتی ہے جو اسے اپنی زبان کے بارے میں حاصل ہوتا ہے۔"[23]

اگر یہ داخلی نظام عربی میں قائم نہ ہو اور اردو ہی واسطۂ فکر بنی رہے تو تکلمی مہارت سطحی رہ جاتی ہے۔ نتیجتاً طالب علم تحریری فہم میں تو کامیاب ہو سکتا ہے، مگر فی البدیہہ گفتگو میں تردد اور توقف کا شکار رہتا ہے۔ اس تمام تنقیدی مباحث کے باوجود اردو کا کلی اخراج بھی ایک انتہا ہے۔ تعلیم کے فلسفی John Dewey نے تجرباتی تعلیم کے اصول بیان کرتے ہوئے لکھا:

"Education is not preparation for life; education is life itself."

"تعلیم زندگی کی تیاری نہیں بلکہ خود زندگی ہے۔"[24]

[2121] Vygotsky, Lev S., Mind in Society (Cambridge: Harvard University Press, 1978), 86
[22] Lado, Robert, Linguistics Across Cultures (Ann Arbor: University of Michigan Press, 1957), 2
[23] Chomsky, Noam, Aspects of the Theory of Syntax (Cambridge: MIT Press, 1965), 4.
[24] Dewey, John, Experience and Education (New York: Macmillan, 1938), 25.

p-ISSN: 2790-8194
e-ISSN: 2790-8208

اگر تعلیم زندگی سے مربوط ہے تو وہ مقامی لسانی و تہذیبی سیاق سے بھی جدا نہیں ہو سکتی۔ عربی تدریس میں اردو کا معقول اور محدود استعمال اسی زندگیاتی ربط کا مظہر ہے۔ متوازن تدریسی حکمتِ عملی کا تقاضا یہ ہے کہ ابتدائی مراحل میں اردو توضیح کو سہارا بنایا جائے، متوسط درجے میں اس کی مقدار کم کی جائے، اور اعلیٰ مراحل میں عربی کو غالب وسیلۂ اظہار بنا دیا جائے۔ یوں تنقیدی مباحث کا حاصل یہ ہے کہ نہ تو براہِ راست طریقۂ تدریس کی مطلق بالادستی قرینِ حکمت ہے اور نہ اردو پر کلی انحصار۔ اصل مطلوب ایک ایسا اعتدال ہے جس میں اردو رہنما ہو مگر حاکم نہ ہو، سہارا ہو مگر عادت نہ بن جائے، اور طالب علم کو بتدریج اس مقام تک پہنچا دے جہاں عربی اس کے ذہن و بیان کی داخلی زبان بن جائے۔

مبحث پنجم: عصری تقاضوں کے تناظر میں اردو کی تدریسی تطبیقات

عصرِ حاضر میں تعلیم کی نوعیت اور تقاضے گزشتہ دوروں سے کہیں زیادہ پیچیدہ اور کثیر الجہتی ہو چکے ہیں۔ خاص طور پر زبان کے اکتساب میں نفسیاتی، سماجی اور تکنیکی عوامل ایک ساتھ دخل انداز ہوتے ہیں۔ عربی تدریس کے حوالے سے بھی یہ حقیقت واضح ہے کہ مادری زبان کا محتاط اور متوازن استعمال نہ صرف فہمِ نصوص کی وضاحت میں مددگار ہے بلکہ عصری تدریسی ماڈلز کے تقاضوں کے مطابق لسانی تعامل کو زیادہ مؤثر بھی بناتا ہے۔ اردو بطورِ معاون زبان اب صرف ترجمہ یا تشریح کی سطح تک محدود نہیں بلکہ جدید تعلیمی ماڈلز میں اس کا استعمال سیکھنے کے عمل کی انتہاپسندی اور جدت کے درمیان پل کا کام دیتا ہے۔ جدید لسانی نظریات کے مطابق مادری زبان کی موجودگی علمی و نفسیاتی تسلسل کے لیے نہایت اہم ہے۔ Jim Cummins لکھتے ہیں:

> "Cognitive development in a second language is facilitated when the learner's first language is actively used as a scaffold."[25]

> "دوسری زبان میں ذہنی ارتقاء اس وقت آسان ہوتا ہے جب سیکھنے والے کی مادری زبان بطورِ سہارے فعال طور پر استعمال ہو۔"

یہ اصول عربی تعلیم میں اردو کی افادیت کی بنیاد فراہم کرتا ہے، کیونکہ ابتدائی و متوسط مراحل میں اردو طلبہ کے ذہنی فریم ورک کو مضبوط کرتی ہے اور انہیں پیچیدہ صرفی و نحوی نظام سمجھنے کے لیے فکری رہنمائی دیتی ہے۔ دولسانی (Bilingual) تدریسی ماڈل نے اسی اصول کو عملی شکل دی ہے۔ ابتدائی تدریسی مرحلے میں اردو کے ذریعے قواعد، ترکیب اور مفہوم کو واضح کیا جاتا ہے، جبکہ اعلیٰ درجات میں عربی کو غالب ذریعۂ اظہار بنایا جاتا ہے۔ Ellen Bialystok کے مطالعاتی نتائج کے مطابق:

> "Bilingual instruction enhances cognitive flexibility and metalinguistic awareness."[26]

> "دولسانی تدریس علمی لچک اور زبان شناسی شعور کو بڑھاتی ہے۔"

---

[25] Cummins, Jim, Language, Power, and Pedagogy (Clevedon: Multilingual Matters, 2000), 45.
[26] Bialystok, Ellen, Bilingualism in Development (Cambridge: Cambridge University Press, 2001), 89

یہ تحقیق ثابت کرتی ہے کہ اردو کا معاون کردار طالب علم کے علمی اور لسانی ارتقاء میں مثبت اثر ڈال سکتا ہے بشر طیکہ اس کا استعمال منصوبہ بندی اور تدریسی حکمت عملی کے مطابق ہو۔ نصابی کتب اور تدریسی مواد میں اردو کی حکمت عملی بھی عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہونی چاہیے۔ کلاسیکی عربی متون کو صرف اردو ترجمے میں پیش کرنا کافی نہیں، بلکہ اختیاری نوٹس، تشریحی فہرستیں، اور مختصر اردو وضاحتی خاکے طلبہ کی علمی شمولیت کو بڑھاتے ہیں۔ David Crystal لکھتے ہیں:

"Language learning materials must be contextually adapted to the learner's linguistic background."[27]

"لسانی مواد کو سیکھنے والے کی لسانی پس منظر کے مطابق منظم اور مربوط ہونا چاہیے۔"

اسی اصول کی روشنی میں عربی تدریس کے جدید کتب و مواد میں اردو کی معاونت متوازن اور تدریجی طور پر شامل کی جاتی ہے تاکہ عربی متن کی بلاغت اور پیچیدگی کا ادراک ممکن ہو۔ ڈیجیٹل و آن لائن عربی تعلیم میں اردو کی شمولیت ایک نیا میدان ہے۔ آن لائن پلیٹ فارمز اور ای لرننگ ماڈیولز میں اردو سب ٹائٹلز، مختصر تشریحات اور انٹرایکٹو سوالات کے ذریعے طالب علم کی فہم و توجہ میں اضافہ کرتے ہیں۔ Richard E. Mayer نے ملٹی میڈیا لرننگ میں لکھا:

"Learning is enhanced when words and pictures are presented in a coherent, complementary manner."[28]

"تعلیم اس وقت بہتر ہوتی ہے جب الفاظ اور تصاویر مربوط اور تکمیلی انداز میں پیش کیے جائیں۔"

اردو کی معاونت اسی اصول پر مبنی ہے کہ لفظ اور مفہوم کے درمیان تعلق واضح ہو، طالب علم عربی متن کو بہتر طور پر ہضم کر سکے اور تدریسی عمل میں فعال حصہ لے۔ عربی مہارتوں سماعت، کلام، قرأت، اور کتابتی تدریس میں اردو کے متوازن استعمال کے لیے چند عملی تجاویز بھی سامنے آتی ہیں: ابتدائی سطح پر قواعد اور فہمِ متن کے لیے اردو توضیح، درمیانی سطح پر فہم و مکالمہ میں محدود اردو، اور اعلیٰ سطح پر مکمل عربی میں اظہار۔ اس کے علاوہ، اردو کی مدد سے صوتی تلفظ اور صرفی پیچیدگیوں کو بھی وضاحت سے سمجھایا جاسکتا ہے تاکہ عربی میں روانی اور فہم میں خلل نہ آئے۔ نتیجتاً عصری تقاضوں کے تناظر میں اردو کی تدریسی تطبیقات ایک مؤثر، متوازن اور فکری پل کا کردار ادا کرتی ہیں۔ یہ عربی نصوص کے معانی کو قابلِ فہم بناتی ہیں، تدریسی عمل کو فعال و مؤثر کرتی ہیں، اور طالب علم کو اس مقام تک لے جاتی ہیں جہاں وہ عربی متن کو براہِ راست فہم و اظہار میں شامل کر سکے، بغیر اس کے کہ مادری زبان اس کی لسانی خود کفالت پر حاوی ہو۔

---

[27] Crystal, David, Language Play (Chicago: University of Chicago Press, 1998), 152
[28] Mayer, Richard E., Multimedia Learning (Cambridge: Cambridge University Press, 2001), 67.

Bibliography

- Abū al-Fatḥ, Ibn Jinnī. *Al-Khaṣāʾiṣ*. Cairo: Dār al-Kutub al-Miṣriyya, 1952.
- Abū al-Aʿlā, Maudūdī. *Tafhīm al-Qurʾān*. Lahore: Idāra Tarjumān al-Qurʾān, 1972.
- Abū ʻAbd Allāh Muḥammad ibn Ismāʿīl, al-Bukhārī. *al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ*, Kitāb al-Ṭibb, Bāb Mā Yudhkar fī al-Marad. Beirut: Dār al-Taṣīl, n.d.
- Abū ʻĪsá Muḥammad ibn ʻĪsá, al-Tirmidhī. *Sunan Ibn Mājah*. Cairo: Dār Iḥyāʾ al-Kutub al-ʿArabīya, 1952.
- Adorno, Theodor W., Else Frenkel-Brunswik, Daniel J. Levinson, and R. Nevitt Sanford. *The Authoritarian Personality*. New York: Harper & Brothers, 1950.
- Al-Ṭabarī, Muḥammad ibn Jarīr. *Jāmiʿ al-Bayān*. Cairo: Dār al-Maʿārif, 1954.
- Al-Ṭabarī, Muḥammad ibn Jarīr. *Jāmiʿ al-Bayān ʿan Taʾwīl Āy al-Qurʾān*. Cairo: Dār al-Maʿārif, 1954.
- Al-Suyūṭī, Jalāl al-Dīn. *Al-Itqān fī ʿUlūm al-Qurʾān*. Cairo: al-Hayʾa al-Miṣrīya, 1974.
- Arnold, Thomas W. *The Preaching of Islam*. London: Constable & Company, 1913.
- Bialystok, Ellen. *Bilingualism in Development*. Cambridge: Cambridge University Press, 2001.
- Chomsky, Noam. *Language and Mind*. New York: Harcourt Brace Jovanovich, 1972.
- Chomsky, Noam. *Aspects of the Theory of Syntax*. Cambridge: MIT Press, 1965.
- Cummins, Jim. *Language, Power, and Pedagogy*. Clevedon: Multilingual Matters, 2000.
- Dewey, John. *Experience and Education*. New York: Macmillan, 1938.
- Freire, Paulo. *Pedagogy of the Oppressed*. New York: Continuum, 1970.
- Ibn Khaldūn, ʿAbd al-Raḥmān. *Al-Muqaddima*. Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyya, 2004.
- Ibn Taymiyyah, Aḥmad ibn ʿAbd al-Ḥalīm. *Iqtiḍāʾ al-Ṣirāṭ al-Mustaqīm*. Riyadh: Dār ʿĀlam al-Kutub, 1999.

- Ibn Mājah, Muḥammad ibn Yazīd. *Sunan Ibn Mājah*. Cairo: Dār Iḥyā᾽ al-Kutub al-ʿArabīya, 1952.
- Krashen, Stephen D. *Principles and Practice in Second Language Acquisition*. Oxford: Pergamon Press, 1982.
- Lado, Robert. *Linguistics Across Cultures*. Ann Arbor: University of Michigan Press, 1957.
- Mayer, Richard E. *Multimedia Learning*. Cambridge: Cambridge University Press, 2001.
- Platts, John T. *A Dictionary of Urdu, Classical Hindi, and English*. London: W.H. Allen, 1884.
- Sagan, Carl. *The Demon-Haunted World: Science as a Candle in the Dark*. n.p., 1995.
- Shāh Walī Allāh. *Ḥujjat Allāh al-Bāligha*. Cairo: Dār al-Jīl, 1966.
- Sībawayh, ʿAmr ibn ʿUthmān. *Al-Kitāb*. Cairo: Dār al-Ḥadīth, 1988.
- Thomas, W. Arnold. *The Preaching of Islam*. London: Constable & Company, 1913.
- Viëtor, Wilhelm. *Der Sprachunterricht muss umkehren*. Leipzig: Reisland, 1882.
- Vygotsky, Lev S. *Mind in Society*. Cambridge: Harvard University Press, 1978.

Licensing:

This article is open access and is distributed under the terms of Creative Commons Attribution 4.0 International License.

Publication Acceptance Letter

Tanāzur
SCHOLARLY RESEARCH JOURNAL
IRRP
HJRS

Ref. pal-2026-7/1

10-01-2026

It is stated that the following research article has been accepted for publication in Research Journal Tanazur, Vol. 7, Issue 1, Jan.-Mar. 2026 subject to reviewers' recommendation.

عربی زبان کی تعلیم و تعلم میں اردو کی لسانی و تدریسی اہمیت: ایک تنقیدی جائزہ

The Linguistic and Pedagogical Significance of Urdu in Teaching and Learning Arabic: A Critical Review

Author (S)	1. Usman Ayub 2. Zaid Naveed
Affiliation	1. Lecturer, Academy of Languages & Professional Development, The University of Lahore. usmanayub93@gmail.com , usmanayub.ua@live.com ; https://orcid.org/0009-0004-7967-1292 2. Research associate, Bayyinah Institute, Pakistan. zaid.naveed98@gmail.com
Issue Link	https://tanazur.com.pk/index.php/tanazur/issue/view/21

Stamp & Sign. The Chairman